ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ناہید خان[۞]

اداریے تحقیقی مجلّہ ''امتزاج'' (جلد ۱ تا ۴): تجزیاتی مطالعہ

Editorials of *Imtezaaj* (Vol: 1 to 4): Analytical Review

By *Naheed Khan, Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Girls Post Graduate College, Quetta Cantt.*

ABSTRACT

Editorial is an innate domain of a newspaper but Urdu literature has a brief history of literary editorials written by stalwarts such as Maulvi Abdul Haq, Abdul Majeed Salik and Zafar Ali Khan. The present era depicts a story of editorials in such a new way. Many research journals of Urdu have been published with the editorials and the authentic journal from University of Karachi, Department of Urdu, *Imtezaaj* has its own tradition for subject, analytical style and presentation in editorial writing.

This research article critically discussed the art of editorial writing with special attention to the editorials of *Imtezaaj* from Vol. 1 to 4.

Keywords: Editorials, Urdu, Tradition, *Imtezaaj,* Analytical.

جوں جوں تحقیق کی روایت آگے بڑھی دنیا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوتی گئی۔ سترھویں صدی میں جدید فلسفے کے امام ''ڈیکارڈ'' نے سب سے پہلے Research کے حوالے سے چھ (۶) discourse (ڈسکورس) تحریر کیے یوں یورپ کی نشاۃ الثانیہ کی سمت نمائی ہوئی۔ مغلوں کی سلطنت سترھویں صدی کے اختتام میں انحطاط کا شکار ہوئی اور آنے والی صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کو برطانیہ کے حوالے کر دیا یوں ۱۸۵۸ء میں ہندوستان برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کہلایا۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے انگریزوں نے ذرائع ابلاغ پر خاص توجہ دی۔ گورنر جنرل کلکتے میں بیٹھتا تھا۔ ۱۸۲۲ء میں اردو کے پہلے جریدے ''جامِ جہاں نما'' کا اجرا بھی کلکتے سے ہی ہوا۔ دلی میں ''سیدالاخبار'' ہو یا مولوی باقر کا ''اخبار'' خبروں کی ترسیل میں نمایاں تھے جب کہ رسائل کا معاملہ بھی تواتر سے جاری تھا۔ اس زمانے میں اردو کو

۞ ریسرچ اسکالر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ گرلز پوسٹ گریجویٹ کالج، کوئٹہ کینٹ۔

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

مرکزی زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ انگریزوں نے نے فورٹ ولیم کالج میں اردو کے نصاب کی تیاری میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں یوں رسائل و جرائد کا کارواں آگے بڑھتا گیا۔اردو زبان میں ایسے رسائل وجرائد کا اجرا ہوا اگر ہم چاہیں بھی تو اس معیار کے علمی و ادبی رسائل شاید ہی نکال سکیں۔ اردو رسائل وجرائد کے سلسلے کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا اور بیسویں صدی میں بے شمار جرائد منظر عام پر نمودار ہوئے اُس وقت سرکاری سرپرستی کا فقدان تھا، لیکن آج سائنسی علوم اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بھر مار میں ان کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اور علمی سطح پر جامعات کے شعبہ جاتی مجلّات اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ رسائل نہ صرف عوام کی ذہنی تربیت کا سامان ہوتے ہیں بلکہ معروف ادبا کے ساتھ نو آموز لکھاریوں کو متعارف کرانے کا سبب بھی ہوتے ہیں۔

مجلّات کا ایک اہم حصہ اس کے اداریے ہوتے ہیں جو مدیر اعلیٰ کی پیش کش ہوتا ہے۔اداریے تعارف کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اہم معلومات بھی رکھتے ہیں اس مقام پر مدیر کا کام بڑھ جاتا ہے۔ اداریوں کی اس اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر جامعہ کراچی کے شعبہ جاتی اردو تحقیقی مجلّے ''امتزاج'' کا مختصر تعارف اور شمارہ ۱ تا ۴ کے اداریوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش خدمت ہے۔ اس میں ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا ہے تا کہ مجلّات کے مختصر تعارف کے ساتھ ساتھ ان سے اخذ کیے ہوئے مواد کو سادہ و آسان اسلوب میں بیان کیا جا سکے تجزیاتی مطالعے میں مجلّات کی زمانی ترتیب کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

امتزاج

۱۹۵۲ء میں جامعہ کراچی کے قیام کے ساتھ ہی شعبہ اردو کا قیام بھی عمل میں آیا۔خوبیٔ قسمت کہ اولین صدر نشین ''بابائے اردو مولوی عبدالحق'' قرار پائے۔ بہ حیثیت محقق و مدرس وہ ایک مستحکم شخصیت تھے ان کے بعد بھی نامور شخصیات اور اساتذہ شعبہ اردو کا حصہ رہے۔لیکن تحقیقی مجلّے کا اجرا (۱۹۵۲ء تا ۲۰۱۳ء) نہ ہو سکا۔ شعبہ کے قیام کے اکسٹھ (۶۱) سال بعد جنوری ۲۰۱۴ء میں شعبہ جاتی اردو تحقیقی مجلّے کا اجرا عمل میں آیا۔ اس کے سرخیل اس وقت کے صدر نشین پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد (شاداب احسانی) ہیں۔تحقیقی مجلّے کے اجرا کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر شاداب احسانی نے شعبہ اردو کی ویب گاہ اور اردو کو بی کام کے نصاب میں دوبارہ منظور کرایا۔ ڈاکٹر شاداب احسانی کے اس اعلیٰ کام میں آغاز سے تکمیل تک دیگر اساتذہ نے بھی بھر پور معاونت فرمائی۔ ان میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ، پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس اور پروفیسر ڈاکٹر عظمیٰ فرمان شامل ہیں۔ان کے علاوہ غیر تدریسی عملے میں راحیل شکیل، عبدالوحید اور نوید جاوید نے شب و روز کام کیا۔ اس تعمیری سرگرمی میں ندیم مقبول نے (پی ایچ ڈی اسکالر)۔ اردو ویب گاہ کا اہتمام کیا جب کہ تزئین و آرائش

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

وطباعت کی ذمے داری عبدالرحمان طاہر نے نبھائی۔ شعبۂ اردو اور تحقیقی مجلّے ''امتزاج'' کے پہلے چار مجلّات کے تجزیاتی مطالعے کی بنیادی وجہ آرٹیکل لکھنے کی تحدید ہے لہٰذا صرف ان چار شماروں کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے جن کی ادارت جناب پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد (شاداب احسانی) نے کی۔

امتزاج: شمارہ ۱، جنوری۔ جون ۲۰۱۴ء

کل ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ''امتزاج'' کے پہلے شمارے میں ۱۰ مقالے شامل ہیں۔ ۵ مقالہ نگاروں کا تعلق کراچی کی مختلف جامعات سے، ۳ مقالے کراچی کے ہی مختلف کالجز سے، ایک مقالہ نگار ملتان کے ہائیر سیکنڈری اسکول جب کہ ایک مقالہ نگار کا تعلق تہران یونی ورسٹی (ایران) سے ہے۔ امتزاج ایک قومی اور بین الاقوامی اردو تحقیقی مجلّہ ہے۔

تحقیقی مجلہ ''امتزاج'' کا پہلا اداریہ ہی روایتی انداز سے جدا ہے بلکہ تاریخی معلومات کا حامل ہے جس میں حقائق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس کے مدیر اعلیٰ صدر نشین شعبۂ اردو ڈاکٹر ذوالقرنین احمد (شاداب احسانی) نے آسان اسلوب میں زبان کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے اداریہ کا آغاز کیا ہے۔ زبان کی اہمیت سے انکار نہیں اس کو سمجھنے کے لیے تاریخی تناظر میں اگر ہندوستانی خطے پر نظر ڈالی جائے تو چشم کشا حقائق سامنے آتے ہیں کہ خطۂ ہندوستان پر اقتدار پر گرفت رکھنے کے لیے بیرونی زبانوں کا استعمال کیا گیا۔ مثال کے طور پر سنسکرت اقتدار کی زبان، فارسی اقتدار کی زبان، انگریزی اقتدار کی زبان، ریختہ یعنی گری پڑی عوام کی زبان، ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کا تاریخی سلسلہ بھی زبان کی اس قوت پر دال ہے۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں گوتم بدھ نے اصلاح مذہب کی تحریک کی بنیاد رکھی۔ تو بولیاں آزادی کا سانس لینے لگیں۔ اس تحریک کے بعد مرکزی زبان کی اہمیت نمایاں ہوئی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر شاداب احسانی رقم طراز ہیں:

> گوتم بدھ کی اصلاح مذہب کی تحریک نے بولیوں کو آزادی بخشی اس آزادی نے مرکزی زبان کی ضرورت کو لا کھڑا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو پاک و ہند کے ہر علاقے میں کسی نہ کسی شکل میں موجود نظر آتی ہے۔ ۱۸۶۲ء کا گستاؤلی بان کا سروے واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ اُردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔[(۱)]

واضح رہے ڈاکٹر گستاؤلی بان کی اس تحقیق کا ترجمہ سید علی بلگرامی نے ۱۹۱۲ء میں ''تمدنِ ہند'' کے نام سے کیا۔ نیوٹن کی شہرہ آفاق کتاب *Principia of Mathematica* لاطینی زبان میں شائع ہوئی تھی اور Royal Society of London کا ''سائنس میگزین'' بھی لاطینی زبان میں ہی شائع ہوا، اس کے باوجود اٹھارویں صدی میں انگریزی کو لاطینی کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جگہ انگلستان کی زبان قرار دیا گیا۔ اس بات سے زبان کی ایک اور خصوصیت بھی سامنے آئی کہ زبان اقتدار پر گرفت کو مضبوط رکھنے میں تو مدد دیتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ طبقات کو جنم بھی دیتی ہے اور پھر طبقات کے خاتمے کا جواز بھی بنتی ہے۔ قائداعظم کا فرمان ''پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی'' اس کا بھی شاید یہ ہی پس منظر ہے لیکن چند طبقات ایسے بھی تھے جو قائداعظم کے اس قول کی دانائی کو سمجھ نہیں پائے۔ آج بھی اسے سیاست اور صحافت کی عینک لگا کر دیکھا جاتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا جاتا ہے۔ ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ اس اجلاس کی کلیدی زبان اردو تھی۔ اس سے بھی پہلے بلوچستان کے تناظر میں اردو زبان کے حوالے سے ڈاکٹر شاداب لکھتے ہیں:

> ۱۸۷۷ء میں بلوچستان کی سرکاری زبان اردو تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو آج بلوچستان مزید پس ماندہ ہوتا۔[۲]

بعض جگہ ۱۸۷۷ء اور بعض مقامات پر ۱۸۷۶ء درج ہے۔ مخزن اردو موتمر یا مخزن اردو کانفرنس جس کا اہتمام قائداعظم مکتبہ نے کیا تھا۔ اس مذاکرے کا موضوع ''پاکستان میں اردو کا مستقبل'' تھا۔ اس میں چاروں صوبوں کے ڈیڑھ درجن ادیبوں نے مقالات پڑھے اس کانفرنس میں بلوچستان کے عبدالکریم بلوچ نے اپنا مقالہ پڑھتے ہوئے فرمایا:

> سولہویں صدی میں جب بلوچیوں نے مغل کے معزول بادشاہ ہمایوں کو بہ حفاظت ایران پہنچایا تو واپسی میں وہ کابل اور دلی کی لڑائیوں میں شریک رہے پھر اردو کو بلوچستان لائے۔[۳]

سولہویں صدی میں اردو زبان وارد بلوچستان ہو چکی تھی۔ اسی مقالے میں وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> یہ ایک تاریخی واقعہ ے کہ مرزا غالب نے اپنا دیوان گل محمد ناطق کو بھجوایا جو اپنی مادری زبان بلوچی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کرتے تھے۔۔۔۔۱۸۷۶ء میں سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو رائج ہوئی۔[۴]

عبدالکریم بلوچ اسی مقالے میں لکھتے ہیں کہ جب ۱۹۷۲ء میں بلوچستان میں عوامی حکومت قائم ہوئی تو اردو کو دفتری زبان قرار دیا گیا اور یوں اردو بلوچستان کی سرکاری زبان بن گئی۔ یہ تو زبان اور بالخصوص اردو زبان کے اس خطے کے حوالے سے اہمیت کا بیان ہے۔ بنگال کے تناظر میں دیکھیں تو بنگلہ زبان، بنگلہ دیش کی سرکاری و قومی زبان ہے۔ بنگال کی حدود کے باہر بنگلہ نظر نہیں آتی جب کہ بنگال میں آج بھی اردو بولنے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جمہور کے لغوی معنی عوام کے ہیں۔عوام ملک کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں عوام ہی ملکی تشخص کو اجاگر کرتے ہیں لیکن اس کے لیے پہلے عوامی تشخص کو ابھارنے کی ضرورت ہے یہ تب ہی ممکن ہے جب جمہور کی زبان کو سرکاری و دفتری سطح پر رائج کیا جائے اور اس پر عمل درآمد بھی کروایا جائے۔ خطے کو ذہنی غلامی سے آزادی آج بھی میسر نہیں لہٰذا زبان کی اہمیت کو سمجھانے کے لیے پھر انگلستان کی مثال بہ طور حوالہ دینا ضروری ہے۔ لاطینی کی جگہ انگریزی زبان کو رائج کرنے کے بعد ہی انگلستان میں جمہوریت پھلی پھولی اور طبقات کا خاتمہ ممکن ہوا اور آج انگلستان میں وزیر اعظم اور خاکروب کا بچہ ایک ساتھ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔قومی و ملی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ خطے میں بھی طبقاتی عفریت کو اب موت کی نیند سلا دینا چاہیے۔حقیقی جمہوریت لانے اور طبقاتی نظام کے خاتمے کے لیے عوامی تشخص کی تعمیر ضروری ہے اور اس کی بنیاد صرف اور صرف مرکزی زبان اردو ہی ہو سکتی ہے یہ ہی زبان پاکستانی تشخص کی علامت ہے۔کوئی بھی زبان محض زیادہ بو لی جانے کی وجہ سے اہمیت حاصل نہیں کرتی بلکہ اس کی اپنی بھی ایک ساخت تشخص ہوتا ہے یہ ہی پہلو اس کی عمر اور بولنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے اردو زبان کی عمر اتنی نہیں لیکن اس کے بولنے والے کی تعداد دنیا بھر میں بڑھ رہی ہے ایسا کیوں اس پر ڈاکٹر شاداب احسانی مدلل انداز میں فرماتے ہیں:

> یہ بات سمجھنے کی ہے۔کسی بھی زبان کی ساخت مصادر سے جڑی ہوتی ہے اور اُردو زبان کے ۹۹ فیصد مصادر مقامی ہیں ''بخشنا'' جیسے مصادر جعلی کہلاتے ہیں۔(۵)

اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دیگر زبانوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔زبان جو بھی ہو جہاں کی بھی ہو اپنے اندر ایک جہانِ دیگر رکھتی ہے۔

مجلہ ''امتزاج'' کا اول شمارہ تاریخی معلومات کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کے جملہ مسائل کی نشان دہی اور ان کے حل بھی فراہم کرتا ہے کہتے ہیں۔اقوام اس وقت تباہ نہیں ہوتیں جب ان کی معیشت تباہ ہوتی ہے بلکہ اس وقت برباد ہوتی ہیں جب ان کے تعلیمی ادارے زبوں حالی کا شکار ہوتے ہیں۔ایک تباہ حال معاشرہ بھی دوبارہ نمو پا سکتا ہے۔اگر ان اداروں کو بچا لیا جائے۔گو یا تعلیم ہی وہ شعبہ ہے جو کسی قوم یا ملک کے مستقبل کا تعین کرتا ہے۔ جامعات و ادارے تو موجود ہوں لیکن ان کی ترجیحات درست نہ ہوں تو بھی یہ شعبہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔زوال کے اسباب کے ساتھ ڈاکٹر شاداب احسانی حل کی جانب اشارہ بھی کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

> قدما کی روایت یہ تھی کہ وہ اپنے طالب علموں کو مستقبل میں جھانکنا سکھاتے تھے اور آج صورت حال یہ ہے کہ بیشتر اساتذہ اپنی ذات کے اسیر ہیں۔انجمن ستائش باہمی کا دور دورہ ہے اس صورت حال میں پاکستانی جامعات کے اساتذہ بالخصوص اردو اساتذہ کو نہ

صرف ذاتی ایجنڈے پر عمل کرنے کے بجائے طالب علموں کے مستقبل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ اردو کے طالب علم کس طرح زبان وادب کے ذریعے اکیسویں صدی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو تلازمہ بنا سکتے ہیں۔[۶]

اداریے کے معروضات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ارباب زبان وادب مجلّات کے لیے جو مقالات تخلیق کریں اس میں خاص طور پر پاکستانیت اور جمہوریت کے پہلو کو نمایاں رکھیں تو یہ اپنی زبان کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

''امتزاج'': شمارہ ۲

''امتزاج'' کا دوسرا شمارہ ۲ جولائی ۲۰۱۴ء کو شائع ہوا۔ سائز میں شمارہ اول سے نسبتاً بڑا ہے۔ کل صفحات ۱۹۱ اور (۷) مقالات پر مشتمل جب کہ آخر میں نوادرات کے عنوان سے ایک مضمون ہے جس میں مختلف شعرا اور ادیبوں کے خطوط کے عکسی نقول دی گئی ہیں۔ مقالات کو مقالہ نگاروں کے نام کے حوالے سے حروف تہجی کی ترتیب میں پیش کیا گیا ہے۔ مقالات اردو زبان و ادب کے مختلف شعبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اداریے کا آغاز مدیر نے ڈاکٹر وزیر آغا کی تصنیف ''اردو شاعری کا مزاج'' کا حوالہ دیتے ہوئے کیا ہے۔ زبان کوئی بھی ہو وہ اپنا ایک مزاج رکھتی ہے۔ جسے سامنے رکھتے ہوئے اسے برتا جائے تو یہ بھی زبان سے محبت کا اظہار ہی ہے۔ ہر انسان اپنی زبان سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کے مزاج سے نا آشنا رہتا ہے بعض اوقات یہ کوتاہی بہت قد آور علمی شخصیات سے بھی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر شاداب احسانی اداریے کے ابتدا میں اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ڈاکٹر وزیر آغا نے ''اردو شاعری کا مزاج'' نامی کتاب میں ہندو پاک کی تہذیبی و تمدنی فضا کے ساتھ ساتھ دیو مالا کو بھی اردو شاعری کے مزاج کو سمجھنے میں ممد و معاون پایا ڈاکٹر صاحب اگر اردو زبان کے مزاج کو سمجھنے کی سعی کرتے تو یقیناً اردو شاعری کا مزاج سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا۔[۷]

اداریے کو پہلے شمارے کی اگلی قسط کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ پچھلا اداریہ زبان بولنے اس کی اہمیت اور اس کی ساخت کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ دوسرا اداریہ زبان کی مزاج شناسی کو بھی لازمی قرار دیتا ہے۔ دیکھا جائے تو ناشناسائی بھی زبان کے فروغ و ترویج میں ایک رکاوٹ ہے، دوسرے وہ طبقہ جو سیاست کے نام پر اقتدار کی جنگ لڑ رہا ہے وہ بھی یہ چاہتا ہے اردو زبان کو سرکاری و دفتری زبان بننے سے روکا جائے تا کہ اقتدار تک عام آدمی کی رسائی ممکن نہ ہو۔ حالاں کہ پاکستان کے ہر حصے میں اردو بولی، لکھی اور سمجھی جاتی ہے۔ کچھ عوامل ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ گلوبلائزیشن کے

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

لیے انگریزی زبان پر عبور ضروری ہے کیوں کہ اس دور میں جب انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بھر مار ہے اردو زبان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ اس دھارے کا حصہ بن سکے یہ ایک درمندانہ رویہ ہے لیکن دانستہ و نادانستہ اس رویے کا نقصان اردو زبان و ملکی ترقی کو پہنچ رہا ہے۔

ترقی کا تعلق تشخص سے ہے اور تشخص اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی قوم اپنی تمام تر معاشرتی سرگرمیوں کو اپنی زبان میں رائج نہیں کر لیتی۔ لیکن پاکستان میں الٹی گنگا بہ رہی ہے جن اقوام اور خطوں کی تقلید میں پاکستانی قوم اندھی ہوئی جا رہی ہے وہ اپنے تشخص کے لیے لاطینی کو رد کر کے انگریزی رائج کر چکے ہیں۔ اداریہ اس کی نشان دہی بھی کرتا ہے اور بڑے اجمالی انداز میں ڈاکٹر شاداب اس کا حل پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

> اس پر خاص طور پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کون سے عوامل تھے۔ آئزک نیوٹن کی کتاب *Principia of Mathematica* کی لاطینی زبان میں اشاعت کے باوجود انگلستان میں انگریزی زبان کو سرکاری سطح پر رائج کیا گیا۔ چاسر کی *Tales* پڑھ لیجیے یقیناً وہ انگریزی کا قلی قطب شاہ نظر آئے گا۔(۸)

پاکستان کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بہ حیثیت قوم ہمارا تشخص ''پاکستانیت'' بحال نہیں ہوتا۔ اسے بحال کرنے میں مرکزی زبان بنیاد ہے۔ علاقائی زبانوں کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن من حیث القوم ترقی اسی وقت ممکن ہے جب پاکستانی قوم مرکزی زبان اردو کی لڑی میں نہ پرو دی جائے گی۔ جتنی جلدی سرکاری سطح پر اسے رائج کر دیا جائے گا اتنی ہی جلدی ترقی کے مراحل عبور ہوں گے۔ وہ زبان جس کی تدریسی عمر دوسو (۲۰۰) سال ہو۔ اس کی قوت پر کیسے اعتراضات اٹھائے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ اعتراض تو ہر چیز پر کیا جا سکتا ہے لیکن غور و فکر کر کے ہر مسئلے کا حل بھی نکالا جا سکتا ہے۔

اعلیٰ تعلیمی کمیشن (HEC) کا اپنے ماتحت تعلیمی اداروں سے شب و روز ایک ہی مطالبہ ہے کہ تحقیق، تحقیق اور صرف تحقیق، اس مطالبے کے حوالے سے مذکورہ اداریہ میں ایک اہم سوال اٹھایا گیا ہے، آیا تدریس کے بغیر محقق دستیاب ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ لیکن ایچ ای سی کے بہ حوالہ تحقیق اصول وضوابط اتنے سخت ہیں کہ تمام جامعات کے اساتذہ اپنے آپ کو تحقیق کی سطح پر آگے لانے میں جت گئے ہیں۔ اس جنون کا شاخسانہ ہے کہ تدریسی شعبہ زوال کا شکار ہو رہا ہے۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ترقی کے لیے تحقیق بہت ضروری ہے لیکن تحقیق کے لیے بھی تو تدریس ضروری ہے۔ الف کے بعد ب آتا ہے اور اس کے بعد ''ت'' ہے جس سے تدریس بھی ہے اور تحقیق بھی ہے۔ تحقیق کے پودے کو تدریس کی قربانی دے کر پروان چڑھانا کوئی دانائی و حکمت کی بات نہیں۔ تدریس و تحقیق آج کے دور میں

قدم سے قدم ملائیں تو منزل پا سکتے ہیں۔ زبان و ادب کی سماجی شعبے کی طرف نظر دوڑائیں تو خاص طور پر اردو زبان کے رسائل و جرائد نے اس شعبہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آغاز میں یہ کام محققین سے زیادہ اساتذہ سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے پائے کا کام آج کوئی نہیں کر سکتا بلکہ انھیں تو خراجِ تحسین پیش کرنے کا حوصلہ کیا آج کے محقق میں ہے۔ اداریے میں ڈاکٹر شاداب احسانی فرماتے ہیں:

> اردو زبان میں ۱۸۲۲ء سے پرچے نکل رہے ہیں بعض شمارے جن میں ''مراۃ الہند''، رسالہ ''حسن''، ''الماس''، ''مخزن''، ''عالمگیر''، ''ادبی دنیا''، ''نقاد''، ''زمانہ''، ''نیا دور''، ''افکار''، ''نقوش''، ''ادبِ لطیف''، ''ہمایوں''، ''برہان''، ''فنون''، ''اوراق'' اور ''شب خون'' وغیرہ ایک طویل فہرست ہے کہ ہم مر کر بھی زندہ ہو جائیں تو ان جیسے خاص شمارے مرتب نہیں کر سکتے۔(۹)

ایچ ای سی نے اساتذہ کو تدریس کے منصب سے ہٹا کر مقالے لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان کی ترقیاں بھی اب مقالوں اور آرٹیکلز کی مرہونِ منّت ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشہ ور محققین کی ایک کھیپ سامنے آئی جس نے Copy and Paste کا بازار گرم کر دیا اور دھڑا دھڑ مقالات مارکیٹ میں دستیاب ہونے لگے۔ زبان و ادب کو بھی معاش کے ساتھ نتھی کر دیا۔ اساتذہ کو جب کاروباری بنانے کی کاوش کی جائے گی تو خاص طور پر اردو زبان و ادب پر اس کے منفی اثرات ہی مرتب ہوں گے۔ اساتذہ کی ترقیوں کے لیے ان کی تدریس ہی پیمانہ ہونا چاہیے۔ تدریس کے ذریعے ہی سے زبان و ادب کے ہر شعبے میں مہارت حاصل کی جا سکتی ہے اس کا تعلق نظم سے ہو یا نثر سے۔ اساتذہ اپنے طور پر بھی اس بحران کو آنے سے روک سکتے ہیں۔ اپنے تدریسی امور کو اپنی ترجیحات میں اولیت دیں۔ جامعات اور اس میں تعینات اساتذہ ہی اردو زبان و ادب کے حال اور مستقبل کے ضامن ہیں۔ اساتذہ کے بہ حیثیت مدرس کردار کو کلیدی قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر شاداب احسانی لکھتے ہیں:

> اگر اردو زبان و ادب کے اساتذہ تدریسی امور میں بے اعتنائی برتیں گے تو یقیناً اردو زبان و ادب کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا جائے گا۔ نا شناسانِ مزاج اردو نادانستگی میں اُردو زبان کو درخور اعتنا نہ سمجھنے میں حق بہ جانب ہوں گے۔ علی گڑھ یونی ورسٹی واورینٹل کالج اور جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ نے اردو زبان کا مستقبل تابناک بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اس قحط الرجال کے زمانے میں مذکورہ اساتذہ کے نقشِ قدم پر چلنا ناگزیر ہے۔(۱۰)

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

یہ اقتباس اساتذہ کے کردار کو کھل کے بیان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہ حیثیت محقق بھی استاد پر ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ تدریس شیوۂ پیغمبری ہے۔ اس میں رب العزت نے اتنی برکت رکھی ہے کہ اگر اساتذہ ارادہ کر لیں تو اپنی دو حیثیتوں میں توازن رکھنا کوئی ایسا کارِ گراں نہیں لیکن تحقیق کے شعبے میں ایچ ای سی کا کردار بھی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ جامعات کے شعبہ جاتی تحقیقی مجلّات جو قومی اور بین الاقوامی سطح کے ہیں، اعلیٰ سطح کی جانچ پڑتال کمیٹی کا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ جو اُن کے معیار کا تعین مکمل غیر جانب داری سے کرے۔ کمیٹی رسمیات مقالہ نگاری کے اصول و ضوابط کی پاس داری کرتے ہوئے مقالات کی جانچ پڑتال کا عمل محض ریفریز کے حوالے نہ کرے بلکہ خود بھی اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی بھی مقالہ رسمیات مقالہ نگاری سے ذرہ برابر ادھر اُدھر نہ ہو۔

یعنی صرف مقالہ نگاروں کے نام کو نہ دیکھا جائے بلکہ مقالے کے معیار کی بنیاد پر اسے مجلّات میں جگہ دی جائے۔ غیر جانب داری سے تمام مقالات چاہے وہ علما وفضلا نے لکھے ہوں یا نو آموز مقالہ نگاروں نے انھیں کڑی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ امتزاج کے شمارہ (۲) میں شامل ۷ مقالات میں سے سوائے ڈاکٹر رؤف پاریکھ کے دیگر تمام نئے لکھنے والے ہیں۔ لیکن تمام مقالے تخلیق کے ساتھ ساتھ تحقیق کے معیار پر بھی پورے اترتے ہیں۔ مضامین کا مطالعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ امتزاج غیر جانب داری سے ریفریز کی آرا کا احترام کرتا ہے۔ اس کا اعتراف مجلّے کے مدیر اعلیٰ خود کرتے ہیں:

> ''امتزاج'' کا شمار اس تحقیقی جرنل میں کیا جانا چاہیے کہ جو غیر جانب دار رہ کر ریفریز کی آرا کا احترام کرتا ہے۔ دائیں اور بائیں بازو کا امتیاز بالکل روا نہیں رکھا۔[11]

اقتباس ہمارے معاشرے میں تعلیمی اداروں میں اثر ورسوخ اور سیاست کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ سیاسی بنیاد پر بھی شخصیات کی طرح مجلّات پر بھی اثر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے راقم سمیت کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اداریے کی تحریر میں جو پہلو نمایاں ہے وہ مدیر اعلیٰ کی یہ سوچ کہ ''بہر حال پاکستانیت اور اردو زبان ہی پاکستان کی ترقی اور روشن مستقبل کی ضامن ہے۔'' مدیر یہ بات دوٹوک اور بڑے مدلل انداز میں بیان کرتے ہوئے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ترقی کے قافلے کا ساربان اردو زبان ہی ہے۔

مجلہ ''امتزاج'' شمارہ ۳ (جنوری۔ جون ۲۰۱۵ء)

۱۶۳ صفحات پر مشتمل مجلہ ''امتزاج'' کے شمارے ۳ میں ۷ مقالے اور ایک نوادرات کا مضمون شامل ہے۔ حرف تہجی کے اعتبار سے مقالہ نگاروں کو مجلہ میں جگہ دی گئی لیکن مدیر اعلیٰ نے قصداً اپنے مقالہ کو فہرست کے آخر میں جگہ دی۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سر پرست اعلیٰ شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر محمد قیصر، مدیر اعلیٰ (صدر نشین شعبہ اردو) پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد (شاداب احسانی) ہیں۔ دیگر مدیران میں پروفیسر ڈاکٹر عظمیٰ فرمان، پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس اور ڈاکٹر رؤف پاریکھ شامل ہیں۔ مقالات زبان و ادب کے مختلف شعبوں تدوین، تحقیق، لسانیات، تنقید اور زبان سے تعلق رکھتے ہے۔ مجلس مشاورت میں قومی و بین الاقوامی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک مقالہ نگار جناب اصغر عباس، سابق صدر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ہندوستان رہ چکے ہیں۔ فہرست میں شامل آخری مقالہ مدیر اعلیٰ ڈاکٹر شاداب احسانی کا ہے اس کے علاوہ تمام مقالہ نگار غیر معروف اور ریسرچ اسکالر ہیں۔ حسبِ سابق اس میں بھی نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی مجلہ کے معیار اور تحقیق کے اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

اداریے کا تجزیہ پیش کرنے سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اداریہ بھی گزشتہ سے پیوستہ ہے۔ اس میں فرق اتنا ہے کہ تدریس اور خاص طور پر امتحانی طریق کار کے مطالعے سے آغاز کیا گیا ہے۔ اداریے کے الفاظ اس بات کے غماز ہیں کہ راقم کی سوچ میں اردو زبان و ادب کا فروغ ہر شعبۂ زندگی کے لیے ناگزیر ہے ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے مدیر لکھتا ہے:

> دورِ ایوبی میں امتحانات کے جوابات کے لیے اردو زبان کو بھی انگریزی کے ساتھ اپنایا گیا تھا۔ سائنس کی تعلیم ہو کہ کامرس کی، پاکستان کے جملہ تعلیمی بورڈز ہوں کہ جامعات، اردو زبان میں جوابات تحریر کیے جا سکتے ہیں، کا حکم نامہ صادر کیا گیا تھا۔(۱۲)

یہ حقیقت ہے کہ ایک آمر کے دور میں یہ حکم نامہ صادر ہوا تھا۔ اردو زبان کے اس فروغ اور پاکستانی عوام کے دیرینہ مطالبے کو یقینی بنانے میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے کلیدی اور مؤثر کردار ادا کیا۔

یہ کاوش جامعہ کراچی کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور پروفیسر ابواللیث صدیقی (صدر، شعبۂ اردو، رئیس کلیۂ فنون) نے بھی کی اور گریجویشن کی سطح پر تمام کلیہ جات کے لیے اردو زبان و ادب کو لازمی قرار دے دیا۔ کافی سالوں تک یہ رائج رہا لیکن کچھ عرصہ بعد ایچ ای سی کے قوانین میں ردو بدل ہوا اسی دوران جامعہ کے اردو ادب کے علما و فضلا نے ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کرتے ہوئے کالج کی سطح پر کامرس کے نصاب سے اردو کو بہ یک جنبشِ قلم نکال دیا یہ تو تھی اردو زبان سے اہل زبان کی دشمنی کی کہانی جس کا سراسر نقصان زبان اور طلبہ کو ہوا اور نتائج میں نمایاں کمی آئی اور بارہ برس تک اس دشمنی کو خاندانی دشمنی سمجھ کر نبھایا گیا۔ اربابِ اختیار و اقتدار اگر معاشی وتجارتی نقطۂ نظر سے بھی سوچتے تو اسے رائج کرنے میں ہی سب کا فائدہ تھا۔ اس کے لیے خطے سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ انگریزی سامراج نے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جب برصغیر پاک و ہند پر تجارتی قبضے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے یہاں کی زبان سے ربط بڑھایا۔ موجودہ دور میں دیکھ لیں چائنا جو اس وقت معاشی میدان میں دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ خطے میں قدم جمانے کے لیے اس نے اردو زبان کا سہارا لیا چائنا میں بھی اردو زبان و ادب کے مراکز قائم کیے اور اپنے لوگوں کو سب سے پہلے یہاں کی مرکزی زبان سیکھنے کی ترغیب دی تا کہ تجارتی محاذ پر ان کی فتح یقینی ہو اور ایسا ہی ہوا۔ ان باریکیوں کا ادراک بارہ (۱۲) برس بعد ڈاکٹر شاداب احسانی کو ہوا جب وہ جامعہ کراچی میں شعبہ اردو کے صدر نشین تعینات ہوئے تو اردو مجلسِ نصاب کے پہلے ہی اجلاس میں قرارداد پیش کی۔ اس حوالے سے اداریے میں وہ رقم طراز ہیں:

> بارہ برس تک اردو زبان کامرس کے نصاب سے باہر رہی خاکسار جب شعبے کا صدر مقرر ہوا تو مجلس نصاب کے پہلے ہی اجلاس میں اس دیرینہ مسئلے پر متفقہ قرارداد منظور کرائی۔ کلیۂ فنون کے جملہ اراکین نے کامرس کے نصاب میں اُردو زبان کی شمولیت کی حمایت کی۔(۱۳)

ایسا نہیں تھا کہ اس کی مخالفت نہ کی گئی ہو کالج کے بعض اساتذہ اکرام اور جامعہ کراچی کے کلیہ تجارت نے اگر چہ اس کی مخالفت کی لیکن اس کے باوجود اکیڈمک کونسل کے جملہ اراکین کی منظوری کے بعد شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر محمد قیصر نے حکم صادر کیا کہ بی۔ کام (کامرس) میں اردو کے پرچے کا امتحان ۲۰۱۵ء کے امتحانات کے ساتھ ہوگا۔

اداریے میں اپنی تدریسی کاوش کا ذکر ڈاکٹر شاداب احسانی نے بہت آسان اسلوب میں بیان کیا جس سے اس بات کا بھی ادراک ہوا کہ غیر جانب دارانہ سیاسی شعور اور صلاحیت بھی ایک استاد ہی کی خوبی ہوتی ہے۔ ایسے ہی دانشمندانہ فیصلے اگر حکومتی سطح پر کیے جائے تو جمہوریت کا حسن نکھر کر سامنے آجائے۔ آج بھی ملک بھر کی جامعات پر نظر ڈالیں تو چند اساتذہ کے اردو زبان و ادب کے حوالے سے ایسے رویے بھی طلبہ اور اردو زبان میں دوریاں پیدا کرنے کا باعث ہیں۔ جب اردو زبان کی توقیر ملک وقوم کی توقیر کے مترادف ہے اسی سے قوم کا تشخص اور تشخص سے پاکستان کی ترقی جڑی ہے۔ تشخص اجاگر کرنے میں جامعات اور اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن ایچ ای سی کو اپنی ذمے داریوں سے مبرا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایچ ای سی کا فارمولہ ہے کہ جامعات کے معیار کو بڑھانے کے لیے فقط تحقیقی مقالات کا انبار ضروری ہے اس سے انکار نہیں لیکن خاص طور پر اردو زبان ادب کے تحقیقی مقالات کے لیے ایچ ای سی کو بین الاقوامی قوانین سے انحراف کرنے کی ضرورت ہے۔ بہ حیثیت ریسرچ اسکالر میں ذاتی طور پر ایسے مسائل کا شکار رہی ہوں بات چل نکلی ہے تو ان دو اہم مسائل کی نشان دہی کرتی چلوں کہ مقالہ لکھنے کے بعد سب سے اہم مرحلہ اس کی کتابت یعنی کمپوزنگ کا ہوتا ہے۔ اردو کا اپنا سافٹ ویئر نہ ہونے کی وجہ سے اسکالر مشکلات کا شکار رہتا ہے جس کی وجہ سے مقالے میں تاخیر ہو جاتی ہے بعض اوقات تو پورے کا پورا مقالہ ہی Delete ہو جاتا ہے پھر کہا جاتا ہے کہ Inpage کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بجائے Word پر اردو کتابت کی جائے وہاں بھی صورت حال مختلف نہیں اس مسئلے کا حل اردو کا اپنا سوفٹ ویئر ہونا ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ حوالے اور حواشی دینے کا طریقہ کا (شکاگو، کیمرج APA) اردو کے تحقیقی مقالات کے لیے نظر ثانی کا طالب ہے۔ جامعات کے معیار کو بڑھانے کے لیے تمام شعبہ جات کے معیارات برابر ہونے چاہییں۔ پاکستانی جامعات کی ترقی و معیار کی بلندی کے لیے خاص طور پر اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے بہ طور خاص اعلیٰ سطح کے ماہرین کی کمیٹی تشکیل دی جانی چاہیے جو ان جملہ تکنیکی مسائل کی نشاندہی کرے اور ان کے مسائل کے حل تلاش کرے۔

سماجی مسائل کے حل کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔ سماجی علوم کی ترقی کے لیے زبان کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ سماجی استحکام ہی ملک کی ترقی و استحکام کا باعث ہوتا ہے۔ یورپین خطے نے جمہور کی زبان کو بنیاد بنا کر سماجی ترقی کی بنیاد رکھی اور اس بنیاد پر معیشت کی عمارت بھی مضبوط ہوتی گئی۔ یہ ہی کلیہ دنیا کے ہر ملک و خطے پر لاگو ہوتا ہے۔ عربوں اور اہل فارس نے زبان کو ہی ترقی کا زینہ سمجھا۔

مجلہ ''امتزاج'' شمارہ ۴ (جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۵ء)

''امتزاج'' کا چوتھا شمارہ کل ۱۵۹ صفحات پر مشتمل ہے اس میں ۱۴ مقالات گزشتہ دو شماروں کی طرز پر نوادرات کے ذیل میں عکسی نقول اور آخر میں حسبِ روایت بابائے اردو مولوی عبدالحق کی تصویر دی گئی ہے۔ مقالہ نگاروں کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق ہے۔ شمارے میں شامل (۴) مقالہ نگار کراچی کے مختلف تعلیمی اداروں میں تعینات ہیں جب کہ دیگر مقالہ نگار ملک کے دیگر شہروں جن میں سرگودھا، کوٹ سلطان، سیالکوٹ، رواولپنڈی لاہور، ساہیوال، اسلام آباد، بہاول پور سے تعلق رکھتے ہیں۔

''امتزاج'' کا چوتھا شمارہ بھی اپنے وقت پر شائع ہوا۔ وقت کی پابندی شعبہ اردو کے تدریسی و غیر تدریسی عملے کی ذمے دارانہ شان ہے۔ ۲۰۱۵ء کا سال اردو زبان کے لیے ایک تاریخی سال ہے، ستمبر ۲۰۱۵ء میں اعلیٰ عدلیہ کے جج جسٹس جواد ایس خواجہ نے ایک تاریخ ساز فیصلہ کرتے ہوئے اردو کو سرکاری زبان بنانے کا حکم صادر فرمایا۔ اعلیٰ عدلیہ کا یہ فیصلہ پاکستانی عوام کی امنگوں کا ترجمان ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جمہور کی زبان کا سرکاری زبان ہونا لازمی ہے۔ اس فیصلے کی پاس داری تمام عوام اور بالخصوص صاحب اختیار و اقتدار پر عائد ہوتی ہے کہ اس پر عمل درآمد بھی کروایا جائے۔ سرکاری اور نجی دفاتر میں خط و کتابت و دیگر تمام امور کو اب اردو زبان میں رائج کر دینا چاہیے۔

شعبہ اردو جامعہ کراچی کے لیے بھی ۲۰۱۵ء کا سال یادگار ہے۔ ڈاکٹر شاداب احسانی (صدر نشین شعبہ اردو) کی کاوشوں سے تقریباً بارہ سال بعد بی۔ کام (اُردو لازمی) کا امتحان منعقد ہوا۔ اردو زبان کے حوالے سے اعلیٰ عدلیہ کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تاریخ ساز فیصلہ سامنے آیا۔ اس کے ساتھ ہی اعتراضات ومخالفت کی ایک یلغار شروع ہوگئی۔ ایک سوال ایسا ہے جو سب کے ذہنوں میں ابھرا آیا۔ اردو زبان اکیسویں صدی کے جملہ تقاضوں کو پورا کر سکے گی ؟ اساتذہ، علما، وفضلا نے مایوسی کا اظہار کیا کہ نوجوان نسل اس فیصلے کے بعد انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دوڑ میں زبان کی وجہ سے پیچھے رہ جائے گی۔ تقلید ہر معاملے میں یورپ کی کی جاتی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہونے کے باوجود یورپین ماڈل کو اپنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ لیکن جب اردو زبان کو اپنانے کا معاملہ سامنے آتا ہے تو تقلید پس پشت چلی جاتی ہے۔

یہ درست ہے کہ یورپ بھی پہلے لاطینی زبان کا اسیر تھا۔ لیکن جب انگریزی کو لاطینی کی جگہ رائج کیا گیا تو ترقی رکنے کے بجائے اس کی رفتار میں اضافہ ہوا۔ تمام ترقی یافتہ ممالک اپنی اپنی زبان میں ہی تمام دفتر وسرکاری امور سر انجام دے رہے ہیں۔ تقلید کی روش کو بھی ایک طرف رکھ دیں۔ جمہوری نظام کو طاقت دینے کے لیے جمہور کی زبان لازم وملزوم ہے۔ ہر زبان خوب صورت، ہر زبان سیکھی چاہیے اس سے ربط بڑھتا ہے لیکن ترقی صرف وصرف جمہوری تشخص سے ممکن ہے اور تشخص مرکزی زبان سے جڑا ہے۔ چائنا کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہاں اردو زبان کو بہت عزت وو قار دیا جاتا ہے، چائنا کی عوام کو اردو زبان سیکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس کے لیے سرکاری سطح پر باقاعدہ مراکز قائم کر دیے گئے ہیں۔ یہاں آکر چینی عوام بہ ذریعہ اردو روابط بڑھا رہی ہے۔ یہی حال ترکی کا ہے۔ ایران کا ہے تاکہ ان کی معیشت مضبوط اور ان کی تجارتی منڈیوں میں اضافہ ہو۔ جب ملکی معاشرتی ترقی کی بات آتی ہے تو اس کے جملہ امور اپنے اپنے خطے کی زبان میں سرانجام دیئے جاتے ہیں اس کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے ان خطوں میں جمہوریت اپنے بھرپور حسن اور تسلسل سے پھل پھول رہی ہے۔ دوسو برس کا تدریسی تجربہ رکھنے والی زبان کیسے ترقی کی راہ میں حائل ہوسکتی ہے۔ خطہ بلوچستان جو شروع سے ہی سیاسی منظر نامے میں متنازع رہا ہے اور آج تک ہے لیکن جب زبان اردو کو بلوچستان کے تناظر میں دیکھیں تو بلوچستان میں دفتری امور کے سلسلے میں اردو کے آثار ۱۸۷۷ء اور اس کے بعد ملتے ہیں۔ ۱۸۷۷ء کے بعد ایجنسی بلوچستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے پہلے کوئٹہ اور قلات ڈویژن کی حیثیت ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی تھی۔ جو ریاست قلات کہلاتی تھی۔ اس ریاست کی دفتری زبان فارسی تھی۔ بلوچستان میں اردو زبان کے حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر فرماتے ہیں:

> عدالت چیف کورٹ پنجاب کے قواعد و احکام کا تیسرا باب ''قواعد و احکام مرتبہ بموجب خاص ایکٹ ہائے ملک پنجاب'' پر مشتمل ہے۔ کتاب مذکور کے ص ۹۴ پر حسب ذیل حکم درج ہے۔
>
> زبان عدالت ہائے فوجداری نمبر ۱۰۳ بموجب احکام دفعہ ۵۵۶ ایک ۱۱، ۱۸۸۲ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مجموعہ ضابطۂ فوجداری نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر یہ قرار داد دیتے ہیں کہ اس علاقے کے اندر جس پر پنجاب گورنمنٹ حکمران ہے۔عدالت ہائے فوجداری کی زبان اردو متصور ہوگی۔[(۱۴)]

گو یا اردو زبان ہمیشہ سے عدلیہ اور عوام (جمہور) کی زبان رہی ہے۔لیکن اشرافیہ کے رحم کرم پر رہی اور وہ من مانی کرتے رہے۔ انجمن پنجاب اور سر سید کے کاوشوں سے اسے کچھ سنبھالا ملا اور آج ملازمتوں کے لیے مقابلے کے امتحانات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس میں دو سو نمبروں کا اردو کا پرچہ لیا جاتا تھا۔ اشرافیہ نے اپنی ''اردو زبان سے ازلی دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے نصاب میں اس کے نمبر ۱۰۰ کر دیے۔ اس قسم کے اقدامات سوچ کی کم مائیگی کے عکاس ہیں۔صرف اشرافیہ ہی نہیں جب اردو زبان و ادب کے اساتذہ ایسی سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی راہ میں رکاوٹیں حائل کریں تو معاملہ نازک ہو جاتا ہے۔ ایچ ای سی کے منظور کردہ تحقیقی جرائد کے حوالے سے بھی یہ صورت حال نظر آتی ہے۔ اداریے میں ڈاکٹر شاداب احسانی اس صورت حال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب جو تحقیقی جرائد و رسائل نکل رہے ہیں اردو والے بھی اپنے تحقیقی مضمون کے لیے ملخص (ABSTRACT) لکھ کر تفاخر میں مبتلا نظر آتے ہیں۔[(۱۵)]

اردو زبان کو فروغ حاصل ہو نہ ہو لیکن انگریزی زبان کو کسی نہ کسی طرح منظر نامہ پہ موجود رہنا چاہیے۔ بہ حیثیت قومی زبان کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایچ ای سی اعلیٰ تعلیمی کمیشن مجلّات میں شائع ہونے والے تحقیقی مقالات میں سے معیاری مقالات کا چناؤ کر کے مضامین کا ترجمہ نہ صرف انگریزی میں بلکہ دیگر زبانوں میں بھی کروانے کا اہتمام کرے ایچ ای سی کا یہ اقدام مقالات کے معیار کے تعین میں بھی مددگار ثابت ہوتا اور پھر یہ تحقیقی مضامین محض عہدہ اور مناسب میں اضافے کے لیے نہ لکھے جائے۔

اردو زبان کے ساتھ جو رویہ برتا جا رہا ہے اس سے ہر ایک واقف ہے۔ یہ صورت حال علمی سطح پر بھی نظر آتی ہے۔ ڈگری یافتہ لوگ تو بہت ہیں لیکن تعلیم یافتہ کا فقدان ہے۔ اور تعلیم کی آسان حصول کے لیے اردو زبان کو اپنانا از حد ضروری ہے۔ اس اداریے میں بھی کم و بیش مدیر نے ان ہی باتوں کو دہرایا ہے جن پر وہ پچھلے شماروں میں قلم اٹھا چکے ہیں۔

اس مضمون میں ''امتزاج'' کے ابتدائی چار شماروں کا مختصر تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اداریوں کا مفصل تجزیہ کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ یہ اداریے تاریخی معلومات کے حامل ہیں، ان میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے۔ اسلوب صاحب تحریر کی شخصیت کا عکاس ہوتا ہے۔ ان اداریوں میں مدیر کا مافی الضمیر کھل کر سامنے آیا ہے کہ ان کی حیات کا مقصد زبان اور پاکستانیت کو دنیا بھر میں اجاگر کرنا ہے۔ پہلے اداریے میں زبان کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

اس کی اہمیت قومی بیانیے کو استحکام بخشنے کی کاوش ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو قائداعظم یہ نہ فرماتے ''پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی'' اداریہ میں جامعہ کراچی شعبہ اردو کے قیام کی مختصر تاریخ بھی ملتی ہے۔ تدریسی زوال کے اسباب اور ان کے حل کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جامعہ کراچی میں شعبہ اردو کا قیام جامعہ کے ساتھ ہی ۱۹۵۲ء میں عمل میں آیا جب کہ شعبہ جاتی تحقیقی مجلّے کا اجرا ۶۱ سال بعد جنوری ۲۰۱۴ء میں ہوا۔ مدیر اداریے میں اردو زبان کی سرکاری حیثیت بحال کرنے میں رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں۔ پہلے اداریے میں ہی مقالے کی اشاعت کی اصول وضوابط کے نظام کی وضاحت ملتی ہے۔ اردو زبان کی اہمیت اور تشخص کو ہر اداریے میں اجاگر کیا گیا ہے۔ اس تجزیے میں چیدہ چیدہ جو نتائج اخذ کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

☆ اداریے محض کسی مجلّے کا تعارف پیش نہیں کرتے بلکہ یہ تاریخی معلومات کے حامل بھی ہوتے ہیں۔
☆ قومی ترقی کا تعلق تشخص سے جڑا ہے اور تشخص اردو زبان بہ حیثیت مرکزی زبان کو اپنائے بغیر ممکن نہیں۔
☆ تجارتی ترقی کے لیے بھی اپنی زبان اور پاکستانیت کو اپنانا پڑے گا۔ اس کے لیے ماضی میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور موجودہ دور میں چائنا کی معاشی ترقی کی مثال سامنے ہے۔
☆ انگلستان کی ترقی کی رفتار اس وقت پہلے سے تیز ہوئی جب اس نے لاطینی کو رد کرتے ہوئے انگریزی زبان کو اپنایا۔
☆ اردو زبان وادب کے ساتھ لاوارثوں والا سلوک اساتذہ اور اعلیٰ تعلیمی کمیشن دونوں کی طرف سے روا رکھا گیا۔
☆ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سماجی علوم کے فروغ کے بغیر بعید از قیاس ہے۔
☆ گریجویشن کی سطح پر اردو کو بطور لازمی مضمون پڑھایا جانا چاہیے۔ کیوں کہ پاکستانیت اور زبان کے فروغ کے بغیر پاکستان کی ترقی ایسا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔
☆ اردو زبان کم مایہ نہیں بلکہ زبان کے حوالے سے ہم ذہنی طور پر کم مائیگی کا شکار ہیں۔
☆ اردو زبان نے تمام صوبوں کو ایک اکائی میں پرویا ہوا ہے۔ لہٰذا پاکستانی تشخص کی علامت ہے۔
☆ محض تحقیق تحقیق کی رٹ لگانے سے اعلیٰ تعلیمی کمیشن جامعات کے معیار کو بہتر نہیں بنا سکتا۔
☆ تدریس کے نظام کو معیاری بنانے سے تعلیم کے تمام شعبوں کا معیار بلند ہو جائے گا۔
☆ اساتذہ کو ذات کے بجائے طالب علم کے مستقبل کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔
☆ تدریس کے تمام مسائل کے حل کے لیے اعلیٰ تعلیمی کمیشن کو ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2719-1915 (Online)

☆ تحقیقی مجلّات کی جانچ پڑتال کے لیے بھی ایک الگ سے اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی جائے۔

یہ اداریے محض اداریے نہیں بلکہ اپنے اندر مستند تاریخی معلومات کا خزانہ بھی رکھتے ہیں۔ قاری کو محسوس بھی نہیں ہوتا اور وہ اردو زبان کی ساخت تشخص، اہمیت، پس منظر سے واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔ رسمیات مقالہ نگاری سے متعلق تمام معلومات موجود ہیں۔ اعلیٰ تعلیمی کمیشن، جامعات وراساتذہ کے کردار کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔ مجلّات اردو زبان کے فروغ اور نفاذ میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مقالات لکھتے وقت پاکستانی تشخص کو ملحوظ خاطر رکھنا ایک بہترین رویہ ہے۔

اداریہ نویسی بھی ایک فن ہے۔جس کے ذریعے بہت سے علمی و تحقیقی مسائل حل کر کے مستقبل کے امکانات کو روشن کیا جاسکتا ہے۔

حواشی

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد شاداب احسانی،''اداریہ''،مجلّہ''امتزاج''،شعبۂ اردو، جامعہ کراچی،شمارہ:۱(جنوری۔جون ۲۰۱۴ء)،ص۵

۲۔ ایضاً

۳۔ دیکھیے اردوur.m.wikipeida.org/wikiرجوع کردہ،۱ / مارچ ۲۰۲۰ء

۴۔ ایضاً

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد شاداب احسانی،''اداریہ''،مجلّہ''امتزاج''شمارہ:۱(جنوری۔جون ۲۰۱۴ء)،ص۶

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً،ص۵

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً،ص۶

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً،ص۵

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں''اردو'' (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، جون ۱۹۹۴ء)،ص ۱۲،شاعت دوئم۔

۱۵۔ پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد شاداب احسانی، مجلّہ''امتزاج''شمارہ: ۴ (جولائی۔دسمبر ۲۰۱۵ء)

ماخذ

۱۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر،''بلوچستان میں اردو''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء، اشاعت دوم

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جرائد

۱۔ ''امتزاج''، شمارہ:۱ (جنوری۔ جون ۲۰۱۴ء)، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

۲۔ ________، شمارہ:۲ (جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۴ء)

۳۔ ________، شمارہ:۳ (جنوری۔ جون ۲۰۱۵ء)

۴۔ ________، شمارہ:۴ (جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۵ء)